مشق

۱۔ بزاز، داروغہ اور میاں خوجی کے درمیان ہونے والے معاملے کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲۔ داروغہ اور حلوائی میں کیا معاملہ طے پایا؟

۳۔ اس اقتباس کی روشنی میں داروغہ کے کردار پر ایک پیراگراف لکھیے۔

۴۔ درج ذیل محاورات اور ضرب الامثال کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہوجائے۔

[illegible] اندھیر نگری چوپٹ راجہ۔

[illegible]

۵۔ اس عبارت کی روشنی میں بتایے کہ اُس وقت لکھنؤ کے نوابوں کے کیا رنگ ڈھنگ تھے۔

۶۔ کسی پیشے یا طبقے کے لوگ تبادلہ خیال کے لیے الفاظ کو وضعی کی بجائے کچھ اور مخصوص معانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو سلینگ کہا جاتا ہے جیسے سیاسی وفاداری بدلنے والے شخص کو "لوٹا" کہنا۔
آپ ایسے ہی کوئی سے پانچ سلینگ تلاش کر کے نئے معانی کی وضاحت کے ساتھ لکھیں۔ نیز درج ذیل سلینگ

۷۔ درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

[illegible]

۸۔ آپ کو اس ناول کا کون سا کردار اچھا لگا اور کیوں؟

۹۔ اس ناول پر زبان و بیان کے حوالے سے تبصرہ کریں۔

ہدایت برائے اساتذہ: طلبہ کو کردار نگاری کی تعریف اور کرداروں کی اقسام سے متعارف کروائیں۔

خدیجہ مستور

پیدائش: ۱۲/دسمبر ۱۹۲۷ء — **وفات:** ۱۹۸۲ء

خدیجہ مستور بریلی کے ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ اُن کی والدہ انور جہان خود ایک اچھی شاعرہ اور مضمون نویس تھیں۔ اس طرح دونوں بہنوں خدیجہ مستور اور حاجرہ مسرور کو علمی و ادبی ماحول ملا۔ خدیجہ کی ابتدائی زندگی سخت مشکلات میں گزری۔ انھوں نے ادبی زندگی کی ابتدا ۱۹۳۶ء میں افسانہ نگاری سے کی۔ لیکن ان کی اصل شہرت آدم جی انعام یافتہ ناول "آنگن" کی وجہ سے ہے۔ اس ناول میں انھوں نے سماجی حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے ایک پورے عہد کی آویزش اور کشمکش کو بڑی کامیابی اور خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے پس منظر میں بے شمار ناول اور افسانے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن آنگن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ایک متوسط مسلمان خاندان کی سماجی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول کا کینوس اور پلاٹ بہت مختصر ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ناول اُس عہد کی سماجی اور معاشی ناہمواری کی ایک مکمل اور سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ ایک عام گھرانے کی کہانی ہے۔ جو سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کی گئی ہے۔ خدیجہ نے اپنی کہانیوں میں زیادہ تر عورتوں کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے اس نظام کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔ جو عورتوں کو ایک خاص جبر کے تحت رکھتا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر بہت سادہ اور دلکش ہے۔

تصانیف: آنگن، زمین، بوچھاڑ، چند روز اور، تھکے ہارے، ٹھنڈا میٹھا پانی وغیرہ

آنگن

(خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' ایک کرداری ناول ہے۔ یہ ناول تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک کے زمانے پر محیط ہے۔ عالیہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے اور اسی مرکزی کردار کے ذریعے پوری کہانی قاری تک پہنچتی ہے۔ عالیہ اپنے سرکاری ملازم باپ کی موت کے بعد اپنے دودھیال کے آبائی گھر میں اپنی اماں کے ساتھ آجاتی ہے۔ چھمی، عالیہ کی چچازاد بہن ہے۔ چھمی کی ماں کی مَوت کے بعد اس کا باپ دوسری شادی کرلیتا ہے اور اسے اپنے بڑے بھائی کے گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور کبھی پلٹ کر خبر نہیں لیتا۔ بس ہر مہینے برائے نام خرچہ بھیج دیتا ہے گویا حالات کا جبر عالیہ اور چھمی کو بڑے چچا کے آنگن میں لے آتا ہے اور یوں وہ اُس آنگن کا حصہ بن جاتی ہیں، جو ملک کی تقسیم کا گواہ ہے کیونکہ اس آنگن میں اُس دور کے مختلف سیاسی خیالات کے نمائندے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً بڑے چچا کٹر کانگرسی سوچ کے مالک ہیں، جب کہ جمیل بھیا اور چھمی اس دور کے عام مسلمان نوجوانوں کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ مسلم لیگ اور پاکستان سے محبت کرنے والے کردار ہیں۔ عالیہ کی امّاں ذہنی طور پر انگریز نواز کردار ہے۔ کریمن بوا کوئی سیاسی یا نظریاتی کردار تو نہیں لیکن مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگار ضروری ہے۔ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس دور کے تمام تر سیاسی معرکوں کو ایک چھوٹے سے آنگن میں متحرک کرداروں کے ذریعے پوری شدت کے ساتھ دکھایا گیا ہے)۔

امتحان کے بعد جب عالیہ نے سر اُٹھایا تو بہار جا چکی تھی۔ ہواوں میں گرمی بس گئی تھی۔ نالی سے ڈھیروں پانی کیاری میں جاتا مگر پھولوں پر رونق نہ آتی۔ پتیاں مرجھا مرجھا کر جھڑتی رہیں، مارے پیاس کے ننھی ننھی چڑیوں کی چونچیں کھلی رہتیں اور چولھے کے پاس کام کرنے والی کریمن بوا کے ہاتھ سے پنکھیا نہ چھوٹتی۔ شام کو صحن ٹھنڈا کرنے کے لیے کتنی ہی پانی کی بالٹیاں چھڑک دی جاتیں، پھر بھی سکوں نہ ملتا۔ سارا ماحول جل رہا تھا۔

ان بے کار، ویران اور گرم دنوں میں بڑی چچی نے چھمی کے جہیز کے پانچ جوڑے کپڑے اس کے سپرد کر

دیے تھے۔ دوپہر میں جب سناٹا چھا جاتا تو وہ مشین پر کپڑے سینے بیٹھ جاتی۔ بڑی چچی سے تو اب کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ ہر وقت بجھی بجھی سی رہتیں۔ ان کا کسی کام میں جی نہ لگتا اور امّاں تو ویسے بھی چھمی کو برداشت نہ کرتیں۔ ان کا بس چلتا تو جہیز کے کپڑوں سے چھمی کا کفن سی ڈالتیں۔ بس ایک عالیہ رہ گئی تھی جو بڑے خلوص سے جہیز سی رہی تھی اور ہر وقت چھمی کے اچھے نصیب ہونے کی دُعائیں کر رہی تھی۔

ادھر چھمی تھی کہ اپنے نصیب کی بازی لگنے سے بے خبر سارے گھر میں اودھم ڈھاتی پھر رہی تھی۔ بڑے چچا کو دیکھتے ہی اسے پاکستان کا خیال ستانے لگتا۔ انگریزوں کو وہ بے نقط سناتی کہ امّاں کے چھکے چھوٹ جاتے اور جب سب کو چڑا کر وہ تھک جاتی تو پھر عالیہ کے پاس آگھستی...... ''اے بجیا! یہ کس کے کپڑے سل رہے ہیں۔ ہے اللہ کتنے پیارے ہیں۔ یہ کون پہنے گا؟'' وہ اِٹھلا کر پوچھتی۔

''کسی کے ہیں چھمی''۔ عالیہ بہانہ کرتی کہ کہیں سچی بات کا پتانہ چل جائے۔

''ایک دوپٹا ہمیں دے دیجیے اس میں سے، لپکا لگا کر اوڑھوں گی''۔ وہ چنے ہوئے دوپٹے کو اُٹھا کر مروڑنے لگتی...... دیکھیے! میرا دوپٹا کیسے لتے ہورہا ہے''۔

چھوڑو چھمی! چنٹ کھل جائے گی'' عالیہ دوپٹا چھیننے لگتی

''آخر یہ ہیں کس کے جہیز کے، بچاری بتا بھی نہیں سکتیں، زبان تھکتی ہے''۔ مارے تجسس کے چھمی لڑنے پر آمادہ ہوجاتی۔

''میں تم کو پیٹوں گی جو مجھ سے لڑیں''۔ عالیہ بڑے پیار سے اپنی بڑائی کا رعب ڈالتی تو چھمی ہنسنے لگتی۔

آج دوپہر میں کیسا سناٹا ہے۔ وہ چھمی کے دوپٹے میں کرن ٹانک رہی تھی اور اپنے مستقبل کے خیالوں کی جان پر نازل کیے جا رہی تھی......... اگر وہ فیل ہوگئی، تو کیا ہوگا، اگر پاس ہوگئی تو لے دے کہ ایک ہی بات رہ جاتی کہ بی ٹی کرے؛ استانی بن جائے، مگر کیا وہ بی ٹی کر سکے گی؛ کیا امّاں اسے علی گڑھ جانے دیں گی اور کیا ماموں اسے اِتنے روپے بھجواتے رہیں گے؟

ہائی سکول کے احاطے میں آم کے درختوں پر کوئل مسلسل چیخے جا رہی تھی اور پاس کے کمرے میں سو

ہوئی نجمہ پھوپھی کے خراٹے چھت سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بھی سو جائے اور اتنے خراٹے لے کہ نجمہ پھوپھی اپنی بے فکر نیند سے چونک پڑیں اور پھر ساری دوپہر بیٹھ کر کاٹ دیں۔

شام کو جب وہ نیچے اُتری تو کریمن بوا صحن میں پانی چھڑک رہی تھی۔ جمیل بھیا لوہے کی کرسی پر بیٹھے انگلیاں مروڑ رہے تھے اور بڑے چچا برآمدے میں ٹہل ٹہل کر جیسے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بڑی چچی سب سے بے نیاز تخت پر بیٹھی آلو چھیل رہی تھیں۔

''بڑے چچا! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''سر میں درد ہے بیٹی''۔

بڑی چچی نے چونک کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا..... ''کریمن بوا جلدی سے پلنگ بچھا دو، بس صحن ٹھنڈا ہو گیا''۔

''ناس جائے اس درد کا''۔ کریمن بُوا برآمدے میں ایک طرف کھڑے ہوئے پلنگ اُٹھا اُٹھا کر آنگن میں بچھانے لگیں۔

بڑے چچا جمیل بھیا کی طرف کروٹ لے کر لیٹ گئے۔ عالیہ کو سخت کوفت ہو رہی تھی کہ بیٹا پاس بیٹھا ہے مگر باپ کو پوچھتا تک نہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا، دونوں کے درمیان بات چیت بند تھی۔

''تم آج دو دن سے گھر میں کیوں بیٹھے رہتے ہو؟'' بڑی چچی نے جمیل بھیا کی طرف دیکھا۔

''نوکری چھٹ گئی ہے اماں، سرکاری دفتروں میں سیاسی لوگوں کا گزارا مشکل ہی سے ہوتا ہے''

عالیہ نے جل کر جمیل بھیا کی طرف دیکھا۔

''مسلم لیگیوں کی کھپت تو انگریز بہادر کے دفتر ہی میں ہوتی ہے'' بڑے چچا نے کروٹ بدلے بغیر کہا۔

''آپ کا خیال غلط ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب کانگرسی سفارش کر دیتے ہیں تو پھر نوکری مل جاتی ہے''۔ جمیل بھیا بھی کیوں چپ رہتے۔

''ہوں''

باپ بیٹے دونوں اپنے اپنے طنز کی آگ میں جل کر خود بخود بجھ گئے اور دونوں نے اس طرح منھ پھیر لیا

جیسے ایک دوسرے کو بات کرنے کے لائق نہ سمجھ رہے ہوں۔ عالیہ نے جمیل بھیا کو ملامت بھری نظروں سے دیکھا اور بڑے چچا کے پاس بیٹھ کر ہولے ہولے سر سہلانے لگی۔ اماں گیلے بال جھٹکتی ہوئی غسل خانے سے نکل آئیں اور سب کو ایک جگہ جمع دیکھ کر بڑی بے زاری سے پاندان اُٹھا کر آخری پلنگ پر جا بیٹھیں۔

''اب کیا ہوگا'' بڑی چچی نے جمیل بھیا سے پوچھا۔

''فکر نہ کیجیے اماں، ایک بڑی اچھی نوکری ملنے والی ہے، آپ سب کے ٹھاٹ ہو جائیں گے''

''شکیل کی پھر کوئی خیریت معلوم ہوئی یا نہیں؟'' بڑی چچی نے اچانک پوچھا۔

''اماں اس کی فکر نہ کیا کیجیے، وہ بڑے مزے میں ہے۔ یہاں کے سارے دکھ درد بھول گیا ہوگا''۔ جمیل بھیا نے پھر صفائی سے جھوٹ بولا۔ انھوں نے عالیہ کو ساری حقیقت بتا دی تھی کہ انھیں شکیل کا پتا تک نہیں معلوم۔

''خیر جہاں رہے خوش رہے''۔ بڑی چچی نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''بڑے چچا! آپ کا پلنگ باہر چبوترے پر بچھوا دوں، کھلی فضا میں درد کم ہو جائے گا''۔ عالیہ نے پوچھا۔ دو مختلف کٹر نظریات ایک جگہ جمع ہو جاتے، تو اسے ڈر لگنے لگتا۔ شکیل کے ذکر سے وہ پریشان تھی۔ جمیل بھیا موقع چوکنے کا نام نہ لیتے۔

''ہاں! وہیں لگوا دو، تو بڑا اچھا ہو''۔ بڑے چچا نے اسے ممنونیت سے دیکھا اور پھر باہر جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

گلی میں کانگرسی بچوں کا جلوس نکل رہا تھا۔ وہ بڑے بے ہنگم طریقے سے شور مچا رہے تھے: ''جھنڈا اُونچا رہے ہمارا..... کانگرس زندہ باد، گاندھی جی زندہ باد، جواہر لال نہرو زندہ باد۔ ہندوستان نہیں بٹے گا۔ جھنڈا اُونچا رہے ہمارا.......''

بڑے چچا کے ہونٹوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُن کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جمیل بھیا ہنس رہے تھے اور اماں جو بڑی دیر سے چپ بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں، آخر بول ہی پڑیں: ''پہلے آزادی تو مل جائے، پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی لوگ پہلے حکومت کرنا بھی تو سیکھ لیں''۔

سب چُپ رہے۔ کسی نے اماں کو جواب نہ دیا۔ باہر بڑے چچا کا بستر لگ گیا تھا۔ وہ چلے گئے اور جمیل بھیا پھر انگلیاں مروڑنے لگے۔ جلوس کا شور دروازے کے قریب ہوتا جارہا تھا۔ چھمی دیوانوں کی طرح بھدر بھدر کرتی اپنے کمرے سے نکل پڑی......"اگر میرے دروازے کے پاس سے جلوس نکلا تو ڈھیلے ماروں گی" وہ دروازے کی طرف لپکی۔

"خبردار! جو آگے بڑھیں، بیٹھ جاؤ چپکے سے"۔ جمیل بھیا زور سے گرجے اور چھمی جانے کیسے رعب میں آگئی۔ اس نے جمیل بھیا کو گھور کر دیکھا اور بڑبڑانے لگی......"ہونہہ! بڑے آئے بیچارے، آج ہی مسلم لیگ کا جلوس نہ نکلا ہو تو میرا نام بھی چھمی نہیں"۔

جلوس دروازے کے پاس سے گزر گیا تو جمیل بھیا کپڑے بدل کر باہر چلے گئے۔ چھمی جیسے ان کے باہر جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ جمیل بھیا کے جاتے ہی برقع اوڑھ کر خود بھی باہر نکل گئی۔ عالیہ اسے نہ روک سکی۔

زمانے زمانے کی بات ہے، پہلے تو جب بی بیاں گھروں سے نکلتیں، تو دو دو چار چار مامائیں ساتھ ہوتی تھیں"۔ کریمن بُوا چھمی کے یوں باہر نکل جانے پر ہمیشہ کڑھا کرتیں۔

عالیہ نے کواڑوں کی اوٹ سے جھانک کر باہر دیکھا۔ بڑے چچا صاف ستھرے بستر پر پاؤں پھیلائے سکون سے لیٹے تھے۔ سامنے پیپل کے گھنے درخت سے چاند کی روشنی اُبھرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ عالیہ کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی باہر چبوترے پر جا بیٹھے۔

"عالیہ! بیٹی ایک پان کھلا دو"۔ بڑی چچی نے فرمائش کی تو وہ تخت پر آ بیٹھی اور پان دان کھول کر پان بنانے لگی......وہ باہر چبوترے پر جا کر نہیں بیٹھ سکتی۔ اسے عجیب سی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

محلّے کی مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے مارے احترام کے ساری کا پلو سر پر ڈال لیا۔ کریمن بُوا جلدی جلدی لالٹینیں جلا رہی تھیں۔

"اللہ شکیل کو خیریت سے رکھیو"۔ بڑی چچی دونوں ہاتھ پھیلا کر دُعا کرنے لگیں۔ وہ اس وقت کتنی دکھی اور ممتا سے بھرپور نظر آ رہی تھیں۔

اندھیرا ہر طرف در آیا تھا مگر چھمی اب تک گھر نہیں لوٹی تھی۔ عالیہ کو خواہ مخواہ فکر ہو رہی تھی۔ ویسے گھر میں اور کسی نے نہ پوچھا کہ وہ ہے کہاں؟

ذرا دیر بعد چھمی آئی تو منہ سرخ ہو رہا تھا، سانس پھولی ہوئی تھی......

"اے بجیا! میں نے وہ شاندار جلوس تیار کرایا ہے کہ آپ دیکھتی رہ جائیں گی۔ بس ذرا دیر میں ادھر سے گزرنے والا ہے۔ عذرا کی اماں نے جھنڈا بنایا؛ طاہرہ کی اماں نے ایک بوتل مٹی کا تیل دیا تھا؛ میں نے مشعلیں تیار کیں؛ سارے محلّے کے لڑکوں کو جمع کر دیا ہے۔ ہائے! بڑے چچا دیکھیں گے تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ میں نے سارے لڑکوں کو سمجھا دیا ہے کہ میرے دروازے پر آ کر خوب نعرے لگانا"....چھمی ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی اور پھر برقع پھینک کر جلوس کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔

خوشیوں کا کوئی پیمانہ اُس وقت چھمی کی مسرّت کو ناپ نہیں سکتا تھا۔ عالیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پریشان ہو رہی تھی کہ کہیں یہ ننھے منّے بچوں کا جلوس گھر میں فساد نہ کرا دے۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اُوپر اپنے کمرے میں کھسک لے۔ دور سے بچوں کے نعروں کی آواز آ رہی تھی۔

بڑے کمرے سے گزرتے ہوئے اُس نے دیکھا کہ نجمہ پھوپھی اپنے صاف ستھرے بستر پر لیٹی کوئی موٹی سی کتاب پڑھ رہی ہیں۔ گرمیوں میں چھت پر نجمہ پھوپھی کا ڈیرہ جمتا تھا، اس لیے وہ اپنے کمرے کے پاس والی چھوٹی چھت پر گزارہ کر لیتی۔

جلوس قریب آ گیا تھا۔ بچے بڑے زور زور سے نعرے لگا رہے تھے: "مسلم لیگ زندہ باد، قائدِ اعظم زندہ باد، بن کے رہے گا پاکستان، دھتیا راج نہیں ہوگا، چٹیا راج نہیں ہوگا"۔

عالیہ چھت کی منڈیر سے جھک کر گلی میں جھانکنے لگی۔ دو بڑے لڑکے مشعلیں اٹھائے سب سے آگے تھے۔ "نہیں دیکھنے دیا ظالم نے"......چھمی بھاگتی ہوئی آئی اور عالیہ کے برابر کھڑی ہو کر نیچے گلی میں آدھی لٹک گئی......"ہائے! کیسا شاندار جلوس ہے۔ وہ آپ کے بڑے چچا نے مجھے دروازے سے جلوس نہیں دیکھنے دیا، جل کر خاک ہو گئے حضرت"۔

چھمی! ذرا سرک کر جھانکو، کہیں جلوس کے ساتھ تمھاری لاش نہ نکل جائے'' عالیہ نے چھمی کے لٹکتے ہوئے دھڑ کو اپنی طرف کھینچا۔

''ہائے بجیا! میں نے مشعلیں کیسی اچھی بنائی ہیں، ہیں نا؟'' چھمی نے داد طلب نظروں سے دیکھا..... آج تو آپ کے بڑے چچا جلتے جلتے ختم ہو جائیں گے''۔

چھمی! کیسی باتیں کرتی ہو، بس پتا چل گیا کہ تم لیگی ویگی کچھ نہیں ہو، بڑے چچا کو جلانے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہے۔''

''واہ، ہوں کیوں نہیں۔'' وہ شرمندہ سی ہوگئی اور عالیہ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر جھول گئی۔

جلوس گلی کے موڑ پر غائب ہو گیا تو تھکی تھکی سی چھمی عالیہ کے بستر پر لیٹ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی اور عالیہ خاموشی سے ٹہلتی رہی۔۔۔اب کتنے دن یوں سب کو جلانے چھمی بیٹھی رہے گی۔ آخر تو ایک دن اپنے گھر چلی ہی جائے گی، جانے وہ گھر بھی اس کا گھر بنے گا کہ نہیں۔ چھمی کو وہاں محبت ملے گی یا نہیں۔ کیا وہاں بھی وہ سب سے بدلے چکانے کے طریقے ایجاد کر کے زندگی گزارے گی۔

''عالیہ بٹیا اور چھمی بٹیا، دونوں کھانا کھانے نیچے آجاؤ۔'' کریمن بُوا کی آواز آئی۔

(آنگن)

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

ا۔ عالیہ کس کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی؟

ب۔ بڑے چچا کو دیکھ کر چھمی کو کیا خیال ستانے لگتا؟

ج۔ جمیل اور بڑے چچا میں اختلاف کی کیا وجہ تھی؟

د۔ کانگرسی جلوس دیکھ کر چھمی نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟

ہ۔ کیا چھمی واقعی مسلم لیگی تھی؟

و۔ بڑے چچا کو چبوترے پر لیٹے دیکھ کر عالیہ کے دل میں کیا خواہش پیدا ہوئی؟

۲۔ چھمی کے کردار پر چند سطریں لکھیں۔

۳۔ درج ذیل الفاظ و محاورات کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

بے نقط سنانا، تجسس، کوفت ہونا، بے ہنگم، مبہم، سوانگ رچانا۔

۴۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

ا۔ باپ بیٹے دونوں اپنے اپنے طنز کی آگ میں جل کر خود بخود بجھ گئے اور دونوں نے اس طرح منہ پھیر لیا جیسے ایک دوسرے کو بات کرنے کے لائق نہ سمجھ رہے ہوں۔

ب۔ پہلے آزادی تو مل جائے، پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی لوگ پہلے حکومت کرنا بھی تو سیکھ لیں۔

ج۔ خوشیوں کا کوئی پیمانہ اُس وقت چھمی کی مسرّت کو ناپ نہیں سکتا تھا۔

۵۔ ماحول اور حالات انسانی رویّوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چھمی کے کردار پر بحث کریں۔

۶۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں، جو اصل عبارت کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

موجودہ دور میں یوں تو ہزار ہا مسائل ایسے ہیں جن کا تسلی بخش اور کسی قدر کارآمد حل تلاش نہیں کیا جا سکا لیکن دو مسائل ایسے ہیں جو دنیا بھر کے سائنس دانوں کی توجہ کا خاص مرکز بنے ہوئے ہیں، پہلا مسئلہ، خلائی تحقیق اور دوسرے سیاروں تک پہنچنے کی کوشش ہے۔ انسان جاننا چاہتا ہے کہ ہماری اس زمین سے پرے کون کون سی دنیائیں آباد یا غیر آباد ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو انسان زمین کو چھوڑ کر کس دنیا میں آسانی سے پناہ لے سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ قطعی داخلی نوعیت کا ہے، یعنی کرۂ ارض پر رہتے ہوئے ہم اپنے لیے کس قدر مزید آسانیاں بہم پہنچا سکتے ہیں۔ دنیا سے بھوک، جہالت، افلاس اور امراض کا خاتمہ کرنے کے لیے ابھی ہمیں کن کن مراحل سے گزرنا ہے اور وہ کون سے طریقے ہیں، جن کی مدد سے بنی نوع انسان خوشگوار، محفوظ اور آرام دہ زندگی گزار سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرۂ ارض کا داخلی مسئلہ خارجی مسئلے کی نسبت کہیں زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ چاند یا مشتری پر کوئی سٹیشن قائم کرنا آسان ہے لیکن دنیا سے افلاس، جہالت اور امراض کا خاتمہ کرنا سخت مشکل، دشوار اور پریشانی کا باعث ہے۔

ہدایت برائے اساتذہ: طلبہ کو تلخیص کا مفہوم بتائیں اور تلخیص کی مشق کروائیں۔